

## رسائل و مسائل

### سفر میں روزہ

مرض اور سفر کے سلسلے میں قرآن کی آیت کے الفاظ مطلق ہیں، ان میں قید اور تحدید نہیں ہے۔ کوئی بھی مرض اور کوئی بھی سفر ہو، اس میں روزہ چھوڑا جا سکتا ہے۔ بس شرط یہ ہے کہ مریض صحت پانے پر اور مسافر مقیم ہونے پر روزے ادا کرے۔ اس مطلق آیت کا یہی مفہوم زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے، اور یہی تنگی اور مشقت سے بچانے کے اسلامی مقصد سے زیادہ قریب ہے۔ یہ حکم مرض کی شدت یا سفر کی مشقت سے نہیں، مطلق مرض اور سفر سے متعلق ہے، تاکہ لوگوں کو سہولت ہو اور وہ دشواری میں نہ پڑیں۔ مرض اور سفر کے سلسلے میں بعض ایسی باتیں ملحوظ ہو سکتی ہیں جنہیں اللہ جانتا ہے، انسان نہیں جانتا۔ سفر اور مرض میں کچھ ایسی مشقتیں ہو سکتی ہیں جو بظاہر یا انسانی اندازے سے معلوم نہ ہوتی ہوں۔ جب تک اللہ کسی حکمت کو بیان نہ کرے، ہم اس کی تاویل نہیں کریں گے اور نصوص کی پیروی کریں گے، خواہ ان کی حکمت ہم پر مخفی رہے۔ یہ قطعی بات ہے کہ ان کے پیچھے کوئی نہ کوئی حکمت ہے، اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ہمیں اس کا علم ہو۔

یہ بات کسی جاتی ہے کہ اس رائے کو بیان کیا جائے تو رخصتوں کے متلاشی رخصتوں کے پیچھے دوڑ پڑیں گے، اور معمولی معمولی باتوں کے بہانے فرض عبادات ترک کر دی جائیں گی۔۔۔۔ اور یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے اس معاملہ میں شدت برتی اور شرطیں عائد کی ہیں۔ لیکن میرے نزدیک یہ بات صحیح نہیں ہے کہ نص قرآنی نے جس حکم کو مطلق اور عام رکھا ہے، اسے اس اندیشے سے متقید اور خاص کر دیا جائے۔ دین لوگوں کو طوق و سلاسل میں جکڑ کر خدا کی اطاعت کی طرف نہیں لاتا۔ وہ تقویٰ اور خوفِ خدا سے اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اور اس روزہ کی

تو غایت خصوصیت سے تقویٰ ہی ہے۔ جو شخص کسی رخصت کی آڑ لے کر فریضہ کی ادائیگی سے کتراتا ہے، اس میں شروع ہی سے کوئی خیر نہیں ہے۔ اس میں اس فریضہ کی ادائیگی کی اولین غایت، تقویٰ کا وجود نہیں ہے۔ یہ دین انسانوں کا نہیں، خدا کا دین ہے۔ خدا خوب جانتا ہے کہ اس نے کس طرح رخصتوں کے مواقع اور شدت کے مواقع کو ملا کر اس دین کو ایک وحدت کی شکل دی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی موقع پر رخصت کے پیچھے کوئی مصلحت ہو سکتی ہے جو اس کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ لوگ اللہ کی بخشش ہوئی رخصتوں کو قبول کریں۔

اگر کسی دور میں لوگ بگڑ جائیں تو ان کی اصلاح کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ احکام میں شدت پیدا کر دی جائے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان کی اور ان کے دلوں کی اصلاح اور ان کی اچھی تربیت کی جائے۔ ان کے باطن میں تقویٰ کا شعور زندہ و بیدار کیا جائے۔

اس میں شک نہیں کہ لوگ بگڑ جائیں تو ان کے بگاڑ کے علاج اور سدباب ذریعہ کے طور پر معاملات میں شدت برتی جا سکتی ہے۔ لیکن عبادات کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ عبادت خدا اور بندے کے درمیان کا معاملہ ہے۔ عبادت سے بندوں کے مصالح کا۔۔۔ جن میں ظاہری حالات کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔۔۔ براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ عبادت میں اس ظاہر کی، جس کی بنیاد تقویٰ پر نہ ہو، کوئی قیمت نہیں۔ تقویٰ موجود ہو تو کوئی شخص راہ فرار اختیار نہ کرے گا۔ وہ رخصتوں سے اسی وقت فائدہ اٹھائے گا جب کہ اس کا دل مطمئن ہو، وہ دیکھے کہ یہی صورت اولیٰ ہے، اور وہ محسوس کر رہا ہو کہ جس صورت حال سے وہ دوچار ہے اس میں خدا کی اطاعت اس میں ہے کہ اس رخصت کو اختیار کیا جائے۔ عبادت کے احکام میں شدت پیدا کرنا، اور جن رخصتوں کو نصوص نے مطلق اور بلا قید رکھا ہے ان میں تنگی پیدا کرنا، بعض لوگوں کے لیے تنگی پیدا کرنے کا موجب ہو سکتا ہے، جب کہ راہ فرار اختیار کرنے والوں کو درست کرنے کے لیے یہ عمل بہت زیادہ سود مند نہیں ہو سکتا۔

ہر حال میں یہی بہتر ہے کہ ہم امور کو اس شکل میں اختیار کریں جس شکل میں اللہ انہیں چاہتا ہے۔ اس کے دین میں جو رخصتیں ہیں اور جن معاملات میں عزیمت کی راہ اختیار کرنی ہے، ان دونوں میں جو دور و قریب کی مصلحتیں مضمحل ہیں، اللہ انہیں ہم سے زیادہ جانتا ہے اور وہ ہم سے زیادہ صاحب حکمت و دانش ہے۔ یہ ہے اس معاملہ میں خلاصہ کلام!

سفر کے متعدد اور مختلف حالات میں روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کے سلسلے میں جو سنتِ رسول

مروی ہے، اس میں سے کچھ کو ہم یہاں درج کریں گے۔ ان میں بعض احادیث میں روزہ نہ رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے، اور بعض احادیث میں روزے کی ممانعت کا ذکر نہیں ہے۔ مجموعی طور پر یہ احادیث اس تصور کی تائید کرتی ہیں جس پر سلف صالح دینی امور کے سلسلے میں تھے، قبل اس کے کہ فقہائے متاخرین کے ہاتھوں احکام فقہی پیچیدگیوں کی شکل اختیار کر لیں۔ ان اسلاف --- رضوان اللہ علیہم --- کی روش میں زیادہ زندگی ہے، اور وہ اس دین کی روح اور اس کی فطرت سے فقہی بحثوں کے مقابلے میں زیادہ قریب ہے۔ اس روش کے ساتھ اور اس کی فضا میں زندگی گزارنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قلب میں اس عقیدے اور اس کی خصوصیات کے سلسلے میں زندہ ذوق پیدا ہو جاتا ہے!

”جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے سال رمضان کے مہینے میں سفر پر نکلے، یہاں تک کہ آپ ”کراع النعیم“ پہنچے۔ آپ بھی روزے سے تھے اور لوگوں کا بھی روزہ تھا۔ آپ نے پانی سے بھرا پیالہ منگایا، اسے اتنا بلند کیا کہ لوگ اسے دیکھ لیں، اور پانی پی لیا۔ اس کے بعد آپ کو بتایا گیا کہ (آپ کے روزہ افطار کرنے کے باوجود) کچھ لوگ روزہ سے رہے۔ آپ نے فرمایا، یہ لوگ نافرمان ہیں، یہ لوگ نافرمان ہیں!“ (مسلم، ترمذی)

”انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا، ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ہم میں سے کچھ لوگ روزے سے تھے، اور کچھ بے روزہ تھے۔ ایک شدید گرمی کے دن ہم ایک منزل پر اترے۔ ہم میں سے سب سے زیادہ سایہ اس شخص کو حاصل تھا جس کے پاس چادر تھی۔ ہم میں وہ لوگ بھی تھے جو اپنے ہاتھ کی آڑ کر کے دھوپ سے اپنا بچاؤ کر رہے تھے۔ تو روزے دار زمین پر گر پڑے، اور جن کا روزہ نہ تھا وہ اٹھے، انہوں نے خیمے لگائے اور سواری کے جانوروں کو پانی پلایا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج روزہ نہ رکھنے والے اجر لے گئے! (بخاری و مسلم، نسائی)

”جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے۔ آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ لوگ اس کے گرد جمع ہیں اور اس پر سایہ کیا ہوا ہے۔ آپ نے دریافت کیا اسے کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا یہ روزے سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سفر میں روزہ رکھنا نیکی کا کام نہیں ہے!“ (مالک، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی)

”عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا، میں رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے پاس ایک سفر سے آیا۔ آپ نے فرمایا، اے ابا امیہ! صبح کے کھانے کا انتظار کرو۔ میں نے کہا، اے اللہ کے رسول! میں روزے سے ہوں۔ آپ نے فرمایا، میں تمہیں مسافر کے بارے میں (شریعت کا حکم) بتاتا ہوں، اللہ نے مسافر سے روزہ اور نصف نماز ساقط کر دی ہے۔“ (نسائی)

”انس بن مالک کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مسافر سے نصف نماز کم کر دی ہے، اور اسے روزہ نہ رکھنے کی رخصت عطا کی ہے، اور دودھ پلانے والی اور حاملہ عورت کو بھی یہ رخصت دی ہے جب کہ انھیں (روزہ رکھنے سے) اپنے بچوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو!“ (اصحاب السنن)

”عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا، حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفر کی حالت میں روزہ رکھنے کے بارے میں دریافت کیا، (اور وہ بہت زیادہ روزے رکھتے تھے) تو آپ نے فرمایا، تم چاہو تو روزہ رکھو، اور چاہو تو روزہ نہ رکھو۔“ (مالک، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

”انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا، ہم (سفر میں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ہم میں سے کچھ روزے سے تھے، اور کچھ نے روزہ نہ رکھا تھا۔ لیکن نہ روزہ دار، بے روزہ دار پر اعتراض کرتا، اور نہ بے روزہ دار، روزہ دار پر اعتراض کرتا تھا۔ (مالک، بخاری، مسلم، ابوداؤد)

”ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا، ہم رمضان میں شدید گرمی کے موسم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (سفر پر نکلے)۔ ہم لوگ گرمی کی شدت سے سر پر اپنا ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔ ہم میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابن رواحہ رضی اللہ عنہ روزہ دار تھے، اور کسی کا روزہ نہ تھا۔“ (بخاری، مسلم، ابوداؤد)

”محمد بن کعب سے مروی ہے، انہوں نے کہا، میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس رمضان کے مہینہ میں آیا۔ وہ سفر پر جا رہے تھے، ان کی سواری تیار کر دی گئی تھی اور انہوں نے اپنے سفر کے کپڑے پہن لیے تھے۔ اس وقت انہوں نے کھانا منگا کر کھایا۔ میں نے ان سے پوچھا، کیا یہ سنت ہے؟ انہوں نے فرمایا، ہاں۔ پھر وہ سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔“ (ترمذی)

”عبید بن جیسر سے مروی ہے، انہوں نے کہا، میں نے ابو بصرہ الغفاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک کشتی میں فسطاط سے رمضان کے مہینے میں سفر کیا، جب وہ روانہ ہوئے تو انہوں نے

صبح کا کھانا اپنے آگے رکھا اور مجھ سے کہا، پاس آجاؤ۔ میں نے کہا، کیا آپ (فسطاط کے) گھروں کو نہیں دیکھ رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا، کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے روگردانی کرتے ہو؟ تو انہوں نے کھانا کھایا اور میں نے بھی کھایا۔“ (ابوداؤد)

”منصور کلبی سے مروی ہے کہ وحیہ بن خلیفہ رضی اللہ عنہ دمشق کے ایک گاؤں سے اتنی دور کے سفر پر نکلے جتنا کہ عقبہ کی بستی فسطاط سے دور ہے، اور وہ تین میل ہے۔ یہ سفر رمضان کے مہینہ میں تھا۔ انہوں نے روزہ نہ رکھا، اور ان کے ساتھ بہت سے لوگوں نے روزہ نہ رکھا۔ کچھ دوسرے لوگوں نے روزہ نہ رکھنے کو ناپسند کیا۔ جب وہ اپنی بستی میں واپس آئے تو انہوں نے فرمایا، خدا کی قسم! آج میں نے ایک ایسی چیز دیکھی جس کے بارے میں مجھے گمان نہ تھا کہ میں اسے دیکھوں گا۔ کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کی روش سے روگرداں ہو گئے۔ اے اللہ! مجھے اپنے پاس بلا لے!“ (ابوداؤد)

ان احادیث سے مجموعی طور پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ سفر میں روزہ نہ رکھنے کی رخصت قبول کی جائے، اس سلسلے میں نرمی اور سہولت کی روش اختیار کی جائے، اور راجح یہی ہے کہ اس رخصت پر عمل کیا جائے۔ اس پر عمل کرنے کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ کوئی شخص مشقت سے دوچار ہو، جیسا کہ آخری دو احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ البتہ آٹھویں حدیث سے جو حضرت ابو درداءؓ سے مروی ہے، یہ واضح ہوتا ہے کہ مشقت کی صورت میں ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عبد اللہ بن رواحہؓ روزے سے رہے (جب کہ اور لوگوں کا روزہ نہ تھا)۔ مگر یہ عبادات کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مخصوص رویہ تھا، جس سے آپؐ نے اپنے ساتھیوں کو بری الذمہ کر دیا تھا۔ جس طرح کہ آپؐ نے لوگوں کو ”صوم وصال“ رکھنے سے روکا تھا مگر آپؐ خود کبھی کبھی ”صوم وصال“ رکھتے، یعنی انظار کیے بغیر ایک روزے کو دوسرے روزے سے ملا دیتے۔ جب صحابہ کرامؓ نے آپؐ سے دریافت کیا کہ آپؐ ایسا کیوں کرتے ہیں، تو آپؐ نے فرمایا، میں تمہاری طرح نہیں ہوں، میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا رہتا ہے۔ (بخاری، مسلم)۔ پہلی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ آپؐ نے (سفر کی حالت میں) روزہ نہ رکھا، اور جن لوگوں نے روزہ رکھا، آپؐ نے ان کے بارے میں فرمایا، وہ نافرمان ہیں! وہ نافرمان ہیں! یہ حدیث فتح مکہ کے سال کی ہے، اس لیے یہ دوسری حدیثوں کے مقابلہ میں بعد کے دور کی ہے، اور اس سلسلے میں پسندیدہ اور بہتر روش کیا ہے، اس پر زیادہ روشنی ڈالنے والی ہے۔

ان حالات سے مجموعی طور پر جو صورت ابھر کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ دورِ نبویؐ میں

واقعات و حالات کی رعایت کی جاتی تھی، اور ان کا لحاظ کر کے ایک مخصوص اور متعین ہدایت دی جاتی۔ اسی لیے ان احادیث میں جو کسی ایک ہی عام موضوع سے متعلق مروی ہیں، ہم مختلف اور متنوع ہدایات پاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرہی تھے، آپ (مجرد احکام سننے کے بجائے) لوگوں کی (حسب حال) تربیت فرماتے، اور جیتے جاگتے حالات کا سامنا کرتے۔ آپ ان (مختلف) حالات کا سامنا جامد احکام سے نہ کرتے۔

مرض کے سلسلے میں کوئی تفصیل نہ مل سکی۔ ہاں، فقہاء کے اقوال موجود ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ یہ حکم مطلق ہے، اور ہر اس حالت سے متعلق ہے جس پر ”مرض“ کا اطلاق ہوتا ہو۔ مرض کی نوعیت یا اس کے درجہ و مقدار کی کوئی تحدید و تعین نہیں ہے، نہ یہ شرط ہے کہ مرض کی شدت کا خوف ہو۔ البتہ روزہ رکھنے کی صورت میں ہر روزے کے بدلے میں ایک روزے کی قضا واجب ہے، اور رانج یہ ہے کہ قضا کے روزوں کا مسلسل رکھنا ضروری نہیں ہے۔

اس تفصیل میں جانے سے میرا مقصد فقہی اختلافات کی بحثوں میں پڑنا نہیں ہے، عبادات کے سلسلے میں ایک اصولی قاعدے کو بیان کرنا ہے۔ نیز شعوری کیفیت پیدا کرنے سے ان عبادات کے محکم ربط کو واضح کرنا ہے۔ مقصد کے شعور کی یہ کیفیت عبادت گزار کے رویہ زندگی پر فیصلہ کن اثرات ڈالتی ہے، نیز اس کے قلب و ضمیر کی تربیت، اس کی عبادات کی بہترین ادائیگی، اور زندگی میں اس کی روش کی عمدگی و خوبی کے لیے سب سے زیادہ اور سب سے پہلے قابل اعتماد ذریعہ ہے۔ یہ ایک پہلو ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہم اس دین کو، اس کے تمام احکام کے ساتھ، اطاعت و تقویٰ کے جذبات کے تحت، اس طرح اپنائیں جس طرح اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ اس دین کو ہم ”من حیث المجموع“ اس کی رخصتوں اور عزیمتوں کے ساتھ، ایک متوازن اور ہم آہنگ کل کی حیثیت میں، اس طرح اختیار کریں کہ ہمیں اللہ (کے قانون) کے بارے میں طمانیت قلب، اس کی حکمت پر یقین اور اس کے تقویٰ کا شعور ہو۔

(ماخوذ سے ”قطب شہید“، فی ظلال القرآن، جلد اول)

## انسان کی صلاحیتِ کار پر روزے کا اثر

اس زمانہ میں جو لوگ مغرب کے مادہ پرستانہ فلسفہ زندگی سے متاثر ہیں، وہ روزے کے

خلاف یہ اعتراض اٹھاتے ہیں کہ اس سے انسان کی صلاحیت کار اور اس کی قوت کار کردگی بہت کم ہو جاتی ہے جس سے فرد اور معاشرہ دونوں کو بڑا نقصان پہنچتا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ اعتراض کرنے والے دو بنیادی حقیقتیں نظر انداز کر دیتے ہیں۔

ایک تو یہ کہ ان لوگوں کی نظر میں جو کچھ قدر و قیمت ہے وہ محض اس کے مادی وجود کی ہے۔ اس کے روحانی وجود کی ان کی نگاہوں میں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ ان کے نزدیک جس طرح ایک فریہ بیل زیادہ ہل چلا سکتا ہے، اسی طرح ایک آسودہ اور پیٹ بھرا آدمی زیادہ کام کر سکتا ہے۔ یہ لوگ سیدنا مسیحؑ کی اس حکمت سے بالکل نا آشنا ہیں کہ ”آدمی صرف روٹی سے نہیں جیتا بلکہ اس کلمہ سے جیتا ہے جو خداوند کی طرف سے آتا ہے۔“ اسی طرح یہ لوگ اس حقیقت سے بھی بالکل بے بہرہ ہیں جس کی طرف ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا، ”انی ایت، لئی مُطْعَمٌ بَطْعَمِنِی و ساقِی بَسْقَمِنِی (میں اس حال میں رات گزارتا ہوں کہ ایک کھلانے والا مجھے کھلاتا ہے اور ایک پلانے والا مجھے پلاتا ہے)۔“

انسان اگر صرف گوشت پوست کا مجموعہ ہے تب تو بلاشبہ ان معترضین کے اعتراض کے اندر کچھ وزن ہے۔ لیکن اگر انسان کے اندر روح نامی کوئی شے بھی ہے تو سوال یہ ہے کہ اس کی تازگی و توانائی کے لیے بھی کوئی غذا اور تدبیر ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ضروری ہے تو کیا یہی دودھ مکھن، جن سے ہمارے جسم کی پرورش ہوتی ہے، اس کے لیے بھی کافی ہیں، یا اس کے لیے کسی اور تدبیر و غذا کی ضرورت ہے؟ مذہب اس سوال کا جواب یہ دیتا ہے کہ انسان کے اندر روح کا جوہر ارضی نہیں بلکہ آسمانی اور خدائی ہے، اس وجہ سے اس کی غذا اس زمین سے نہیں، بلکہ خدا کے تعلق و توصل اور اس کے کلام و الہام سے حاصل ہوتی ہے۔ اور اس کا تعلق خدا سے قریب تر اور قوی تر اس وقت ہوتا ہے جب یہ جسم کے (جو اس کے لیے صرف ایک مرکب کی حیثیت رکھتا ہے) تقاضوں، اس کی خواہشات اور اس کے جذبات و میلانات سے فی الجملہ آزاد ہوتی ہے۔ جب تک یہ انہی سفلی پابندیوں میں گرفتار رہتی ہے، اس وقت تک یہ ان بلندیوں میں پرواز نہیں کر سکتی جو اس کی فطرت کے لحاظ سے اس کی اصلی جو لا نگاہ ہیں، اور جن میں پرواز کرنے ہی سے اس کے وہ شامینی کارنامے ظہور میں آتے ہیں جو اس کی فطرت کے اندر ودیعت ہیں۔

روزہ روح کو یہ آزادی دلانے کا سب سے زیادہ موثر ذریعہ ہے۔ اس سے انسان کے نفس کی جو تربیت ہوتی ہے اس کا سب سے زیادہ نمایاں پہلو یہ ہے کہ روح پر خواہشات و شہوات کا

غلبہ کمزور ہو جاتا ہے، انسان کی قوتِ ضبط اور اس کی قوتِ ارادی مضبوط ہو جاتی ہے، اور اس طرح اس کے اندر یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ، بجائے اس کے کہ وہ ایک فرمانبردار غلام کی طرح ہاتھ باندھے ہوئے اپنی خواہشوں کے پیچھے پیچھے چلے وہ ایک صاحبِ عزم و ایمان کی طرح اپنی خواہشات و جذبات کو اپنے رب کی رضا اور اس کے احکام کے پیچھے لگا دیتا ہے۔

غور کیجئے تو ہمیں سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گی کہ انسان کے اندر قوت اور طاقت کا اصلی خزانہ اس کے جسم کے اندر نہیں بلکہ اس کے دل اور اس کی روح کے اندر ہے۔ اگر دل کمزور اور روح پر اگندہ ہو تو نہایت راحت و تنعم میں پلے ہوئے جسموں کا حال یہ ہوتا ہے کہ گویا وہ لکڑی کے کندے ہیں جن کو خوبصورت پوشاک پہنا کر کھڑا کر دیا گیا ہے۔ قرآن نے ایسے لوگوں کو **خُشْبٌ مُّسْتَدَّةٌ** کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور ان کے خوف و بزدلی کی تصویر اس طرح کھینچی ہے کہ **يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ**۔ دنیا کے کسی گوشہ میں بھی کوئی خطرہ نمودار ہو، ان کے دل دھڑکنے لگتے ہیں کہ ہونہ ہو یہ بجلی ہمارے خرمن پر گرنے والی ہے۔ برعکس اس کے جن کی روح بیدار، جن کے دل پر عزم اور جن کے حوصلے بلند ہوتے ہیں، وہ نانِ جویں پر گزارہ کر کے بھی بازوئے حیدر کے کارنامے دکھاتے ہیں۔ اسی حقیقت کی طرف قرآن نے اشارہ فرمایا ہے **كَمْ مِنْ فِئْتَةٍ قَلِيلَتْ غَلَبَتْ فِئْتَهُ كَثِيرَةً بِأَذْنِ اللَّهِ** (کتنی چھوٹی جماعتیں ہیں جو اللہ کے حکم سے بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آگئیں)۔ اور اسی چیز کی طرف شاعر نے بھی اشارہ کیا ہے۔

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مر جائے

کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

دوسری حقیقت جس سے یہ معترضین غفلت برت رہے ہیں وہ یہ ہے کہ کسی چیز کی حقیقی قدر و قیمت کا اندازہ اس کے وقتی اثرات و نتائج سے نہیں لگایا جاتا ہے، بلکہ اس مستقل اور پائیدار اثر سے اس کا اندازہ کیا جاتا ہے جو زندگی پر اس کا پڑتا ہے یا متوقع ہوتا ہے، بشرطیکہ صحیح طور پر اس کو برتا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک دوا تقویتِ قلب و دماغ کے لیے نہایت مفید و مجرب ہو، اس کے اثرات نہایت پائیدار مترتب ہوتے ہوں، لیکن فوری طور پر اس کا ردِ عمل سستی یا اعضا شکنی یا خمار کی صورت میں نمایاں ہوتا ہو۔ ظاہر ہے کہ اس دوا کے اس فوری اثر کو دلیل قرار دے کر اس کو ایک مضر یا بے قیمت دوا قرار دے دینا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔

ٹھیک یہی حال روزے کا ہے، اس کا فوری اثر ---- خاص طور پر خام اور نو مشق لوگوں



پر --- تو ضرور کسل اور اضمحلال کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، جس سے وقتی طور پر ان کی صلاحیت کار بھی متاثر ہوتی ہے۔ لیکن دیکھنے کی چیز اس کا یہ وقتی اثر نہیں ہے، بلکہ وہ پائیدار اثر ہے جو انسان کے ظاہر و باطن پر (بشرطیکہ اس کو ٹھیک ٹھیک برتا جائے) اس کا مترتب ہوتا ہے۔

روزے کے لیے عربی میں صوم کا لفظ ہے۔ اس لفظ کی لغوی تحقیق (سے معلوم ہوتا ہے) کہ ابتداء یہ لفظ ان گھوڑوں کے لیے استعمال ہوا جن کو جوانی پر آنے کے بعد، جنگ کے لیے تیار کیا جاتا، اور اس تیاری کے لیے بتدریج ان کا چارہ اور دانہ کم کیا جاتا تاکہ ان کا بدن بھاگ دوڑ کے لیے سبک نکل آئے، اور وہ میدان جنگ کی سختیوں اور بھوک پیاس کی مشقتوں کو برداشت کرنے کے اچھی طرح قابل ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ گھوڑوں پر یہ عمل اس لیے نہیں کیا جاتا تھا کہ اس سے ان کی قوت کارکردگی کم ہو جائے، بلکہ مقصود اس سے ان کی قوت کارکردگی کو زیادہ سے زیادہ بڑھانا ہوتا تھا، تاکہ وہ اپنے مقصد تخلیق کے لیے پوری طرح کار آمد ہو جائیں۔ ایک پلے ہوئے گھوڑے پر اگرچہ اس ٹریننگ کا فوری اثر اچھا نہیں پڑتا، وہ کمزور اور لاغر ہو جاتا ہے، لیکن ٹریننگ دینے والے اس کے اس پائیدار اثر کو نگاہ میں رکھتے ہیں جو گھوڑے کو ہر سختی و نرمی کے برداشت کے قابل بنا دیتا ہے، اور جس سے وہ تھان پر بندھے ہوئے ایک پُر خور جانور کے بجائے میدان جنگ کا ایک سخت کوش اور جاں باز سپاہی بن جاتا ہے۔

یہی صوم (روزہ) ہے جو مذہب نے انسانوں کی ظاہری و باطنی تربیت کے لیے تجویز فرمایا ہے، اور مقصود اس سے ان کی صلاحیت کار کو ضعیف کرنا نہیں ہے بلکہ اس صلاحیت کار کو صبر اور تقویٰ کی بنیاد پر زیادہ سے زیادہ مستحکم کر دینا ہے، تاکہ انسان حق کی مخالف طاقتوں کے مقابلے میں، خواہ یہ طاقتیں شیطانی ہوں یا انسانی، جہاد کا اہل ہو سکے، قرآن اور حدیث پر نگاہ رکھنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ روزے کے بنیادی مقصد دو بیان کیے گئے ہیں۔ تقویٰ اور صبر۔ تقویٰ یہ ہے کہ آدمی زندگی کے ہر مرحلہ میں اور ہر قسم کے حالات میں اپنے نفس کو حدودِ الہی کا پابند رکھے۔ صبر یہ ہے کہ اس راہ میں خارج سے یا اس کے اپنے باطن سے جو مشکلات و موانع بھی سر اٹھائیں ان کا پورے عزم و جزم کے ساتھ مقابلہ کرے اور ان کے آگے سپر انداز نہ ہو۔ یہ جہاد زندگی بھر کا جہاد ہے۔ رمضان کے مہینہ میں ہر مسلمان اسی جہاد کی ٹریننگ حاصل